ریاست بہاول پور کے دوشاعر

(عبدالعزیز جاویداورابن الامام شفتر)

عاصمہ رانی*

ڈاکٹرشفیق احمد**

Abstract:

In the modern literary scene of Bahawalpur in perspective of technique and time, there are perhaps two poets considered as the oldest. The specialty, they have, is that both wer born before the acceptance of Pakistan resolution. The major part of both poets' life was passed in Bahawalpur and both are bilingual poets, Professor Abdul Aziz Javed's poetic work is in Urdu and Persian and Punjabi where as Syed Imam Ali Ibn-ul-Shafter's work is in Urdu and Saraiki. Both poets have their own opinion about every genre and topic, moreover, their final opinion has got a Islamic touch. It can be said that both the poets are best representative of the culture of Bahawalpur Despite of all their deficiency in their knowledge and wisdom.

ہمارے سامنے سیّد مستقیم نوشاہی کا مرتب کردہ ''ادبی جائزہ'' (خطۂ رحیم یارخاں۔ ۲۰۰۸ء۔۱۹۴۷ء) مطبوعہ مئی ۲۰۰۸ء قریشی آرٹ پریس کراچی موجود ہے جسے بزمِ تخلیقِ ادب، پاکستان نے شائع کیا ہے۔ہم ''ادبی

* پی ایچ ڈی سکالر شعبہ اُردو، اسلامیہ یونیورسٹی، بہاول پور

** پروفیسر شعبہ اُردو، اسلامیہ یونیورسٹی، بہاول پور

جائزہ'' کا مطالعہ کرتے ہوئے ایک لمحے کے لیے بھی یہ بات نہیں سوچ سکتے تھے کہ اس میں درج معلومات درست نہیں ہوں گی کہ مرتبین اور معاونین جدید عہد کے پڑھے لکھے لوگ ہیں اور انہوں نے ہر طرح کی ضمانت قبول کرنے کے لیے اپنے موبائل اور ای۔میل ایڈریس تک دیے ہیں اور اس میں کوئی شک نہیں کہ ان کا کام بہت توجہ سے کیا ہوا ٹیبل ورک ہے لیکن ہم نے پروفیسر عبدالمالک شاکر، شعبۂ اُردو، خواجہ فرید کالج، رحیم یار خاں کو فون کر کے ان کے ادبی جائزہ میں درج مجموعہ ہائے کلام ''دشتِ دل'' اور ''تلاشِ گل'' کے بارے میں سوال کیا تا کہ ہم اپنے موضوع ''ریاست بہاول پور میں اُردو نظم کی روایت'' کے حوالے سے کام کر سکیں۔ شاکر صاحب فرمانے لگے میرا تو کوئی مجموعۂ کلام نہیں۔ ہم نے ادبی جائزہ کا ذکر کیا تو وہ کہنے لگے کہ اس میں شک نہیں کہ میں شعر کہتا ہوں اور میں نے کچھ نظمیں بھی کہی ہیں لیکن میرا کوئی مجموعہ تا حال نہ شائع ہوا ہے اور نہ مرتب ہے۔ بس دوستوں نے دل رکھنے کے لیے ایسا کچھ لکھ دیا ہوگا۔(۱) یہ تو ہو سکتا ہے کہ کوئی شاعر عجز کا اظہار کرتے ہوئے خود کو بڑا شاعر نہ کہے لیکن ایسا ممکن نہیں ہے کہ کوئی شاعر اور اس کے ایک چھوڑ دو، دو مجموعے چھپ چکے ہوں اور وہ ان مجموعوں کی نسبت ہی سے انکار کر دے۔

دل چسپ بات یہ ہے کہ ہم پروفیسر عبدالعزیز جاوید کو موجودہ ڈویژن بہاول پور کے چند بڑے انسانوں اور اہلِ علم میں شمار کرتے ہیں۔ صرف یہی نہیں بلکہ وہ اپنی جسمانی عمر اور شاعرانہ عمر میں بھی غالباً قدیم ریاست بہاول پور کے قدیم شعراء میں شامل ہوتے ہیں۔ ہم انہیں اُردو اور فارسی کے قادر الکلام شاعر تو سمجھتے ہی ہیں لیکن وہ کبھی کبھی پنجابی زبان میں بھی شعر کہہ سکتے ہیں۔ اس کا اظہار پروفیسر عبدالعزیز جاوید کے مجموعۂ کلام ''راہ آورد'' مطبوعہ اپریل ۲۰۱۰ء کے صفحہ ۲۴۹ پر درج پنجابی غزل سے بھی ہوتا ہے جس کے بارے میں پروفیسر عبدالعزیز جاوید خود بھی لکھتے ہیں:

> ''پنجابی کی ایک غزل بھی شامل ہے اس میں بھی اپنی افکار کی بازگشت ہے جو فرد کی نہیں ملت کی ضرورت ہے۔''(۲)

لیکن سیّد محمد مستقیم نوشاہی نے چار سطروں پر مشتمل تعارف میں کہیں ظاہر نہیں کیا کہ پروفیسر عبدالعزیز جاوید شعر بھی کہتے ہیں۔ البتہ ایک ستم ڈھایا اور وہ یہ کہ ان کے اسمِ گرامی سے پہلے لفظ ''ڈاکٹر'' لگا دیا۔ کسی کے لیے ڈاکٹر بننا اعزاز کی بات رہی ہو گی لیکن پروفیسر عبدالعزیز جاوید جیسے صاحبِ علم شخص کے لیے ڈاکٹر ہونا اعزاز کی بات نہیں ہے بلکہ وہ تو ایسے بزرگ ہیں کہ پی ایچ۔ ڈی کے سینکڑوں حاملین کو ان کے مکتب میں بیٹھ کر زانوائے تلمذتہ کرنا چاہیے۔

ادبی جائزوں کا حال تو یہ ہے لیکن ہم تو ان سے ماوراء ایک اور موضوع پر لکھنا چاہتے ہیں اور موضوع یہ ہے کہ صادق گنج ضلع بہاول نگر سے ریتی ضلع رحیم یار خان تک کے علاقے میں اس وقت کون شاعر بطور خاص نظم گو

شاعر ہیں؟ یہ بات واضح کر دینے کے لائق ہے کہ اس سوال کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ باقی لوگ قابلِ توجہ نہیں ہیں لیکن ہمارا مسئلہ یہ ہے کہ زندہ شعراء میں کچھ ایسے شاعر تلاش کیے جائیں جنہوں نے ریاست کے زمانے میں آنکھ کھولی ہو، ریاست کے زمانے میں لکھنا شروع کیا ہو، وہ ریاست ہی میں پیدا ہوئے ہوں، عمر کا بیشتر حصہ ریاست میں ہی گزارا ہو اور جو آج بھی حیات ہوں اور آپ چاہیں تو ان سے ان کا کلام سن سکتے ہوں۔ اس حوالے سے دو شعراء عجیب وغریب مماثلتوں کے ساتھ ہمارے سامنے آتے ہیں۔ ایک عبدالعزیز جاوید اور دوسرے سیّد امام علی کے بیٹے سیّد انعام علی رضا شفتر۔ سرکاری ریکارڈ کے مطابق پروفیسر عبدالعزیز جاوید۴ جولائی ۱۹۲۵ء کو مسقط الراس امام پور(۳) (عرف نکودر) (۳) ضلع شیخوپورہ میں پیدا ہوئے جب کہ ابن الامام شفتر ان کی اپنی تحریر کے مطابق ۳۱ اکتوبر ۱۹۳۴ء کو احمد پور شرقیہ ضلع بہاول پور میں پیدا ہوئے۔ دونوں بزرگوں نے اپنی اپنی میٹرک تک کی تعلیم اپنے علاقے میں میسر پرائمری، مڈل اور ہائی سکول سے حاصل کی۔ پروفیسر عبدالعزیز جاوید کے بزرگوں نے انہیں پنجاب ایگری کلچر کالج، لائل پور موجودہ فیصل آباد میں داخلہ دلایا۔ انہوں نے بی ایس۔سی ایگری کلچر کا امتحان پاس کیا۔ ملازمت بھی کی لیکن شوق کچھ اور چاہتا تھا جس کے لیے ''راہ آورد'' کا پیش گفتار دیکھیے:

> ''مارچ ۱۹۴۲ء میں میٹرک پاس کرنے کے بعد بزرگوں نے مجھے پنجاب ایگری کلچرل کالج وانسٹی ٹیوٹ...... جہاں تک میرے اپنے ذوق کا تعلق ہے مجھے سائنس سے کوئی رغبت نہ تھی...... چار سالوں میں جیسے تیسے بی ایس۔سی ایگری کلچر کر ڈالی لیکن ادبی ذوق نے یہاں بھی پیچھا جاری رکھا۔ ۲۱ جولائی ۱۹۴۶ء سے...... سرکاری ملازمت کا آغاز ہوا...... جیسا کہ سطور بالا میں ذکر ہو چکا ہے:
>
> آنکھ طائر (کی) نشیمن پر رہی پرواز میں
>
> میں نے ۱۹۴۸ء میں پنجاب یونی ورسٹی سے منشی فاضل (Hons in Persian) کا اور ۱۹۵۰ء میں ادیب فاضل (Hons in Urdu) کا امتحان پرائیویٹ طور پر پاس کر لیا...... میں پریویس اور فائنل دونوں کی کلاس میں جاتا اور مستفیض ہوتا تھا...... ۱۹۵۲ء میں ایم۔اے اُردو سیکنڈ ڈویژن میں پاس کر لیا...... میں نے ۱۹۵۳ء میں ایم۔اے فارسی بھی کر لیا...... ایم۔اے۔او ایل (۵) کی اعزازی ڈگری بھی مل گئی۔ ۱۹۵۴ء میں ریاست بہاول پور میں اُردو فارسی کے استاد کی اسامی مشتہر ہوئی...... اقبال مندی نے مجھے انتخاب کیا...... ۹ دسمبر ۱۹۵۴ء (قبل از دوپہر) گورنمنٹ انٹر کالج رحیم یار خان میں حاضری دی...... ۳ جولائی ۱۹۸۵ء کو ساٹھ سال کی مقررہ عمر میں ریٹائر ہو گیا...... دو ماہ بعد یکم ستمبر

۱۹۸۵ء کو پیغام ملا، اسلامیہ یونی ورسٹی بہاول پور والوں نے جو ایم۔اے فارسی کی تدریس کا آغاز کیا ہے، اسے آ کر سنبھالو۔ ۱۹۸۸ء میں جس دن بے نظیر صاحبہ نے وزارتِ عظمیٰ کا چارج سنبھالا تو یہ جمعے کا مبارک دن تھا جو یونی ورسٹی میں میری ملازمت کا یومِ آخر تھا۔'' (۶)

ریاست بہاول پور کے دوسرے سینئر شاعر سیّد انعام علی رضا ابن الامام شفقتؔ ہیں جن کے بارے میں محمد خالد خان بارکزئی لکھتے ہیں:

''۱۹۵۳ء میں آپ ایس۔ای کالج (میں) داخل ہوئے۔ اس زمانے میں سلیم پیرزادہ کی زیرِ صدارت ایک اخبار نکلتا تھا ''نوائے مسلم''۔اس میں ایک رومانی نظم بھیجی۔ ''ہم اور وہ'' کے عنوان سے چھپی......۱۹۵۴ء میں سیکنڈ ایئر چھوڑ کر بہاول پور میں ہی سب آرڈینیٹ انجینئرنگ کلاس میں داخلہ لے لیا۔ ریاست بہاول پور ختم ہوئی تو موجودہ پاکستان مغربی پاکستان کے نام سے ایک صوبہ بن گیا۔اس کے ساتھ ہی بہاول پور کی ایک سب انجینئرنگ کلاس بھی ضلع گجرات کے گورنمنٹ انجینئرنگ سکول ''رسول'' منتقل ہوگئی جو اس وقت صوبہ مغربی پاکستان کا واحد انجینئرنگ سکول تھا۔ یہیں امتحان ہوا اور ڈپلومہ ملا۔ ۱۹۵۸ء جنوری میں بلوچستان کے مقام بیل پٹ، جو آج کل بختیار آباد ڈومکی کے نام سے مشہور ہے ،بطور اوورسیئر پوسٹنگ ہوئی۔ اس دوران اِکا دُکا اور چند نظمیں قلم سے نکلیں......مختلف روزناموں اور ماہناموں میں اپنی نگارشات بھیجنی شروع کر دیں۔ اخبارات میں روزنامہ امروز، نوائے وقت، ہفت روزہ رضا کار جب کہ رسائل میں نیرنگِ خیال، اُردو پنچ، ظرافت، ماہِ نو، اُردو ڈائجسٹ، سرائیکی ادب ملتان، سرائیکی ادب بہاول پور اور سہ ماہی الزبیر بہاول پور خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔'' (۷)

ہم دیکھتے ہیں کہ عبدالعزیز جاوید اور سیّد انعام علی ابن الامام شفقتؔ دونوں کسی اور میدان کے آدمی تھے لیکن کسی اور میدان میں ڈال دیے گئے لیکن انہوں نے اپنی افتادِ طبع سے مجبور ہو کر شعر و شاعری اور ادبیات کی خدمت جاری رکھی۔ دونوں بزرگ ہر طرح کی قدیم اصناف میں شعر کہتے ہیں، دونوں کم از کم دولسانی شاعر ہیں، دونوں کی تربیت اور مزاج میں اسلامیت کا اثر گہرا ہے، دونوں اقبال کے زیرِ اثر ہیں، دونوں اصلاحی نقطۂ نظر اور مقصدی ادب کے قائل ہیں، جدید مغربی تہذیب سے گریزاں ہیں، دونوں دسروں کی غلطیوں پر گرفت کرتے ہیں لیکن اس گرفت میں بھی مزاحیہ انداز ہوتا ہے، دونوں فی البدیہہ گو اور واقعاتی شاعر ہیں۔ دونوں اپنے عہد کو تنقیدی نظر سے دیکھتے ہیں،

اپنے اردگرد ہونے والے واقعات کو شعر کا موضوع بناتے ہیں یہاں تک کہ دونوں رموزِ فن کے معاملات میں بھی یکساں رویہ رکھتے ہیں۔اس فرق کے ساتھ پروفیسر عبدالعزیز جاوید وسیع المطالعہ، ژرف نگاہ، کئی زبانوں کے ماہر اور بہترین محافل کی زینت بننے والے بزرگ ہیں جب کہ ابن الامام شفتر کے لیے یہ سب کچھ ممکن نہیں تھا۔مثال کے طور پر ہمارے بڑے سے بڑے شعراء وادباء ''قافیہ'' اور ''علمِ قافیہ'' پر بڑی بڑی باتیں کرتے اور لکھتے ہیں جب کہ ابن الامام شفتر کے غیر مطبوعہ مجموعۂ کلام ''خواب مت دیکھا کرو'' کا یہ مطلع دیکھیے:

خدا کی نگری میں لوگو ہم نے نجانے کیا کیا کمال دیکھے
زمین پہ رُلتے ستارے دیکھے گدھے کی گردن میں لعل دیکھے (۸)

پروفیسر عبدالعزیز جاوید ''راہ آورد'' میں شامل اپنی نظم ''سیرے در شرح گلستانِ سعدی'' میں لکھتے ہیں:

منفعت میکند مگر گویند شتر درماندہ راحدی خوانیؐ
نیست تحقیق منصبِ تقریظ نقد معیار صورت و معنی
کمؐ شمارند کیف فی جویند روبہ ظاہر نظر بہ پنہانی

گو مولانا الطاف حسین حالی اپنی کتاب ''مقدمہ شعر و شاعری'' میں قافیہ کو شاعری کا جز و لازمی قرار نہیں دیتے۔''(۱۰)

بالغرض حالی کو نظر انداز کر کے قافیے کو شعر کے لیے لازم بھی قرار دیا جائے تو بھی یہ بات بہت اہم ہے کہ قافیے کا تعین حواسِ خمسہ سے ہماری آنکھ کو نہیں کان کو کرنا چاہیے اور جب کان کا فیصلہ سنتے ہیں تو کمال اور لعل نیز خوانی اور معنی ہم قافیہ لفظ قرار پاتے ہیں۔عبدالعزیز جاوید بھی افتادِ طبع کے اعتبار سے ادیب و شاعر تھے جب کہ صادق عباس ہائی سکول احمد پور شرقیہ، ریاست بہاول پور کا سہ ماہی رسالہ ''گہوارۂ ادب'' مطبوعہ اپریل ۱۹۵۲ء مدیر نقوی احمد پوری ظاہر کرتا ہے کہ ابن الامام شفتر بھی طبعاً ادیب و شاعر تھے۔مثلاً مذکورہ جریدے کی فہرست ابواب میں شمار نمبر ۱۳ پر اورنگ زیب عالم گیر کے حوالے سے ایک مضمون ہے جو سیّد انعام علی رضا متخلص بہ انعام بخاری بعد ازاں ابن الامام شفتر جماعت دہم کا تحریر کردہ ہے جب کہ شمار نمبر ۲۱ پر اسی مصنف کی ایک اور نظم ملتی ہے جس کا عنوان ''وہ آفتاب آیا'' ہے۔نظم دیکھیے:

بلبل چہک رہا ہے فصل بہار آئی فصل بہار آئی بہ صد وقار آئیؐ
طاؤس بے پیئے ہی مخمور ہو چکے ہیں نظارۂ چمن سے مسرور ہو چکے ہیں
شبنم کے موتیوں نے اِک فرش ہی سجایا اور رشک آسماں ہے اسی فرش کو بنایا
ہر پھول جھومتا ہے یوں سَر ہلا رہا ہے ساقی بنا ہوا ہے سب کو پلا رہا ہے

ندی کچھ اس طرح سے نغمہ سنا رہی ہے ۔۔۔ کچھ دور جیسے جوگن بربط پہ گا رہی ہے
ظلمت کی وسعتوں میں اِک انقلاب آیا ۔۔۔ وہ آفتاب آیا ...... وہ آفتاب آیا
بیدار ہو رہے ہیں شب بھر کے سونے والے ۔۔۔ مشغول ہو رہے ہیں مشغول ہونے والے
ہر برگِ گلستاں اِک مژدہ سنا رہا ہے ۔۔۔ اور سرخ سرخ چہرہ سورج دکھا رہا ہے
انعام سرخیوں سے دامن کو اپنے بھر لے ۔۔۔ انسانیت کی خاطر کچھ کام تُو بھی کر لے

ابن الامام شفتر کی یہ مثنوی اپنی منظر نگاری کے حوالے سے دل چسپ ہے ہی لیکن اس کا آخری شعر ابن الامام شفتر کے نظریۂ فن اور اس میں شامل مقصدیت کو بھی ظاہر کرتا ہے۔

اس حوالے سے پروفیسر عبدالعزیز جاوید کی ایک نظم ''سیاست مدارانِ پاکستان'' دیکھیے:

ذوقِ سفر نہ عزمِ سفر ہے نگاہ میں ۔۔۔ وادیئے تیہ کے ماندے مسافر ہیں راہ میں
کتوں کی طرح لڑ رہے ہیں جس کی چاہ میں ۔۔۔ مردار رہے وہ قولِ رسالت پناہ میں
اشرف ترین خلق کہاں اور سگ کہاں ۔۔۔ کس مرتبے سے گر گئے ہیں حب جاہ میں
مکھی کے مردہ پر سے کہیں بڑھ کے ہیچ تھے ۔۔۔ تاج و سریر و سلطنت جن کی نگاہ میں
وہ قوتِ لایموت کے سعدان ژندہ پوش ۔۔۔ شہباز کی سی تیزی تھی جن کی نگاہ میں
شمشیر کے علاوہ بس اللہ کا نام تھا ۔۔۔ مردانِ حُر بلند نظر تھے سپاہ میں
اے سامع عزیز ذرا امتیاز کر ۔۔۔ اپنے شکم کی چاہ میں دل کی کراہ میں
وہ شہسوار اشہب دوراں یہاں کہاں ۔۔۔ جاوید کس کو ڈھونڈتے ہو گردِ راہ میں

''سیاست مدارانِ پاکستان'' میں اقبال اور اسلوبِ اقبال جگہ جگہ بول رہا ہے، یہی کیفیت کلامِ شفتر کی بھی ہے۔صرف کلامِ شفتر ہی نہیں ریاست بہاول پور کا ہر صاحبِ فکر شخص اقبال، قائداعظم، ابوالکلام آزاد اور عطاء اللہ شاہ بخاری کا فریفتہ تھا۔ یہ الگ بات کہ پسندیدگی کی اس مہر پر نوابانِ بہاول پور اور خواجہ فرید کے تصوف کا رنگ بھی چوکھا تھا۔شفتر بھی اقبال سے بیگانہ نہیں ہے بلکہ تقریباً ہر معنی میں ان پر اقبال کا اثر واضح نظر آتا ہے۔اقبال کی نظم کی پیروڈی ملاحظہ کیجیے:

اُٹھو مرے بندو میرے چیلوں کو جگا دو
تاکید سے فرمان مرا اُن کو سنا دو

ہر سمت نئے فتنوں کا اِک جال بچھا دو
یکتا و یک جہتی کی بنیاد ہلا دو
مذہب کی طرف ان کی نظر اُٹھنے نہ پائے
اِزموں کے بھنور میں انہیں کچھ ایسا پھنسا دو
ہر فرد کو دیکھوں میں یہاں دست و گریباں
ہر فرد کو مے بغض و عداوت کی پلا دو
شاعر جو کبھی ہنستا ہوا پڑھنے کو آئے
ہوٹنگ کرو اتنی کہ بچارے کو رُلا دو
جس کھیت سے کچھ رزق ہو دہقاں کو میسر
اُس کھیت کے ہر خوشۂ گندم کو جلا دو
سنتا ہوں کہ شفقتؔ بھی بہت بول رہا ہے
اوروں کی طرح اس کی حمیت بھی سُلا دو

اقبال کا اثر یہاں بھی واضح ہے لیکن مقصدیت، اسلامیت، حقیقت پسندی، موجودہ زمانے کے مسائل اور طنز و مزاح وغیرہ کے حوالے سے مندرجہ ذیل نظم دیکھیے:

ہم تو ساری زندگی بس وان پی وٹتے رہے
گویا اپنی پاڑ اپنے ہاتھ سے پٹتے رہے
ہم تو یاروں کے لئے موجوں سے ٹکراتے رہے
یار ہم کو دھکے دے کر منہ کے بھر سٹتے رہے
بے ضمیرے بلے بلیاں دودھ سارا پی گئے
جس کا حق تھا وہ بیچارے دیگڑے چٹتے رہے
زندگی کی دوڑ میں ہرتے رہے اہلِ نظر
اندھے کانے ہر قدم ہر موڑ پر کھٹتے رہے
مسکراتے گاتے پنچھی پھنس گئے جب جال میں
کچھ کے پر کٹتے رہے اور کچھ کے سر کٹتے رہے

روحِ قرآں کو سمجھتے تو سمجھتے کس طرح
ہم تو بس الفاظ طوطے کی طرح رٹتے رہے
ناچ گھر اور جوئے خانے ہر طرح محفوظ ہیں
وائے قسمت مسجدوں میں بم پہ بم پھٹتے رہے
جونہی میں نے سر جھکایا اپنے رَبّ کے سامنے
فاصلے جو درمیاں تھے خود بخود گھٹتے رہے
روزِ محشر کس طرح گردن چھڑاؤ گے کہ تم
نیک کاموں سے ہمیشہ پیچھے ہی ہٹتے رہے
چٹی ڈاڑھی میں تو شفقتؔ خود کو رسوا مت کرو
چھوڑ دو وہ ٹیڑھی باتیں جن پہ تم ڈٹتے رہے (۱۳)

اس نظم میں اشارہ کردہ پہلوؤں کے علاوہ ایک لسانی تجربہ بھی ہے کہ ابن الامام شفقتر نے شیر افضل جعفری کی طرح اُردو کو چناب رنگ دینے کی کوشش کی۔ اس نظم میں بھی ابن الامام شفقتر اُردو اور سرائیکی کے حوالے سے ہی تجربہ کر رہے ہیں جب کہ یہی تجربہ پروفیسر عبدالعزیز جاوید نے بھی کیا ہے لیکن سرائیکی کے بجائے فارسی اور پنجابی کے حوالے سے۔ اس حوالے سے ان کی نظم ''فریاد'' کے صرف پانچ شعر دیکھیے:

عقل دشمن نے اِک کتاب لکھی — نام : اقبال اور نژادِ نو
اس میں اقبال کا سراغ ملے — حرفے یا در خورِ نژادِ نو
یا نشانے بمنزلِ مقصود — یا لیلےٰ معاونِ رَہرو
جو سزا چور کی وہی میری — ورنہ منشی کے سر پہ جوتے سو
دُرِّ معنی کجا بدست آود — غوطہ ناآشنائے ساحل رو (۱۴)

ان اشعار سے ایک نظم میں دو زبانوں کا معاملہ تو کھلتا ہی کھلتا ہے لیکن یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ پروفیسر عبدالعزیز جاوید بلا کے ذہین طباع، صاف ستھرے مصرعے کہنے والے نیز مزاح نگار شاعر بھی ہیں۔ مزاحیہ رنگ ان کی شاعری میں ہی نہیں ان کی عام زندگی میں بھی کارفرما نظر آتا ہے۔ مثلاً یہ واقعہ کہیں ذکر کیے جانے کے لائق ہے کہ ایک زمانے میں یہ انٹر کالج علی پور ضلع مظفر گڑھ کے پرنسپل تھے جہاں اُردو کی کلاسیں پروفیسر محبوب علی

زیدی اور استادِ مکرم پروفیسر عابد صدیق کے سپرد تھیں۔ پروفیسر عابد صدیق ٹھہرے جملہ ساز، جملہ باز، ذہین، صوفی اور عشقِ مجازی کی طرف میلان رکھنے والے جب کہ محبوب علی زیدی کوشش کرتے کہ غالبؔ، آتشؔ اور میر تقی میرؔ کی غزل پڑھاتے ہوئے بھی عشق کا لفظ کہیں نہ آنے پائے۔ آئے بھی تو جوں توں کر کے اُس کا رُخ عشقِ حقیقی کی طرف موڑ دیا جائے۔ طالب علم زِچ ہو کر بطور پرنسپل کام کرنے والے پروفیسر عبدالعزیز جاوید کے پاس پہنچے اور بتایا کہ ایک استاد کہتے ہیں کہ عشق اختیار کرو جب کہ دوسرے عشق کا نام بھی سننا نہیں چاہتے تو ہمیں بتائیے ہم کیا کریں؟ پروفیسر عبدالعزیز جاوید نے ساری بات بڑی رسان سے سنی اور کہا ''بچو! تم جانتے ہو کہ کچھ مضامین لازمی ہوتے ہیں اور کچھ اختیاری۔'' عشق کا مضمون بھی اختیاری مضمون ہے۔ تم چاہو تو اختیار کرو نہ چاہو تو ضرورت نہیں۔ اسی طرح ''راہ آورد'' کے صفحہ ۲۵۴ پر اپنے عقدِ ثانی کا جو قصہ بیان کیا ہے اس کا کچھ حصہ بیان سے رہ گیا۔ جب پروفیسر صاحب کو انگلستانی بھائی کی یہ بات پہنچی کہ:

> ''تم پھر بیوہ ہو جاؤ گی تو انہوں نے فوری فرمایا تھا کہ نہیں تم دوبارہ بیوہ نہیں ہو گی بلکہ ان شاءاللہ دوبارہ بھی میں ہی رنڈوا ہوں گا۔'' (۱۵)

پروفیسر عبدالعزیز جاوید کی شاعری واقعاتی مزاح سے بھی تہی نہیں ہے مثلاً زرعی کالج لائل پور کے زمانہ طالب علمی میں ایک رات انہوں نے مالٹے چرائے لیکن جو کچھ پیش آیا اسے مسدس کے اس بند میں دیکھیے:

رات تھی چپکے سے لاکر ہوسٹل میں رکھ دیے　　فسٹ ایئر میں یار لوگوں نے چرائے مالٹے
اتفاقاتِ زمانہ کا کرشمہ دیکھیے　　کھٹیاں نکلیں جو دن کو شوق فرمانے لگے

ان سیہ کاروں میں دو اب ماہر اثمار ہیں
وارڈن بیتجے تو چوتھے قوم کے معمار ہیں

محمد خالد خان بارکزئی ابن الامام شفتر کے حوالے سے لکھتے ہیں:

> ''......ابن الامام شفتر بڑے شگفتہ مزاج بزرگ ہیں۔ شگفتہ اتنے کہ بزرگ نہیں لگتے۔ مزاحیہ شاعری میں پروفیسر انور مسعود اور خالد مسعود خان کے بھائی بند لگتے ہیں۔'' (۱۷)

ایسا نہ بھی ہو تو بھی ان دونوں بزرگوں کے ہاں مزاحیہ رنگ بہت اچھا اور پختہ ہے۔ اس کے علاوہ ان دونوں بزرگوں کی فی البدیہہ گوئی بھی انہیں ایک اہم مقام پر فائز کرتی ہے۔ ابن الامام شفتر تو بلوچستان میں سکول کھلنے کی تقریب پر فی البدیہہ شعر کہہ ڈالتے ہیں اور اسی طرح عاصم ثقلین درانی کی کتاب تقریب رونمائی میں فوراً ایسا سجع کہہ دیتے ہیں جس میں مجموعۂ کلام کا نام بھی موجود ہو تو یہ ان کی شعر گوئی کی صلاحیت کو ظاہر کرتا ہے۔ یہی صلاحیت پروفیسر

عبدالعزیز جاوید کے ہاں بھی موجود ہے اور جگہ جگہ ظاہر ہوتی ہے۔ جیسا کہ پروفیسر عبدالعزیز جاوید اپنے ایک ایرانی سفر کے دوران میں پیش آنے والے واقعے کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''صبح جب ہم نے مشہد کا رخ کیا تو بس میں سوار ہمارے نگران اساتذہ نے کہا کہ ہر کوئی گا کر سنائے اور جو نہ سنائے گا اسے پانچ تومان کا جرمانہ دینا ہوگا۔ بس میں، میرا نمبر آٹھواں نواں تھا۔ میں نے اس دوران میں دو شعر گھڑ لیے تھے۔ باری آنے پر یوں گویا ہوا:

ہر کس کی نخواند جرمانہ پرداز
من پول نمی دارم زیں خوف ہدر خوانم
آن نیست نمی خوانم ، من نیز ہمی خوانم
امروز کہ رنجورم پس فردا مگر خوانم

''مشہد کے سفر سے جب واپس ہم لوگ دانش گاہ میں پہنچے...... ہمدان کے سفر و قیام کی ان خرابیوں نے سابقہ کئی ناروا پابندیوں کی یاد تازہ کر دی۔ اس صورتِ حال کا ذکر اس غزل میں موجود ہے جو بخشی صاحب کو میں نے حسبِ وعدہ تہران کی طرف لوٹتی بس میں سنائی......
اصفہان سے سفر میں جب ہم لوگوں نے شیراز کا رخ کیا تو ہمیں بتایا گیا کہ وہاں پہنچتے ہی ہمیں اس شب شعر میں شرکت کرنا ہوگی جو وہاں ہمارے اعزاز میں منعقد کی جا رہی ہے۔ لہٰذا میں نے اسی راستے میں جو غزل تیار کی......'' (۱۸)

یوں لگتا ہے جیسے پروفیسر عبدالعزیز جاوید اور ابن الامام شفتر کے پاس ہر طرح کے شعر کہنے کی مشینیں موجود ہیں اور وہ ہر طرح کی صورتِ حال میں اچھے سے اچھا شعر کہہ سکتے ہیں۔ بس فرق یہ ہے کہ ابن الامام شفتر جوش وجذبے کے دریا ہیں اور پروفیسر عبدالعزیز جاوید علم وبصیرت کے سمندر ہیں اور یہ بات تو سب جانتے ہیں کہ دریا وسمندر ایک دوسرے کے لیے لازم وملزوم ہیں اور یہ بات بھی طے ہے کہ اسی طرح کے بزرگوں کے دم قدم سے ریاست یا ڈویژن بہاول پور کی سرزمین مالا مال ہے۔

حوالہ جات

۱۔ پروفیسر عبدالمالک شاکر سے ڈاکٹر شفیق احمد کی ٹیلی فونک گفت گو، بروز ہفتہ، بتاریخ ۵ جون ۲۰۱۰ء، بوقت ۳:۲۵ بجے سہ پہر

۲۔ پروفیسر عبدالعزیز جاوید، ''راہ آورد''ص ۱۹، مطبوعہ اپریل ۲۰۱۰ء

۳۔ مماثلتوں کا ذکر کیا تو دیکھیے شفتر کے والد کا نام ''امام'' ہے اور عبدالعزیز جاوید کی پیدائش کا قصبہ ''امام پور'' ہے۔

۴۔ نکودر سے غلطی میں نہیں پڑنا چاہیے اس لیے کہ نکودر غیر منقسم ہندوستان کے ضلع جالندھر کی ایک تحصیل کا نام بھی ہے جس میں اُردو کے مشہور ادیب اور محقق
مولانا غلام رسول مہر پیدا ہوئے تھے۔ غالبًا وہیں سے کسی خاندان نے کسی وجہ سے ہجرت کی اور ضلع شیخوپورہ میں اس قصبے کو بھی نکودر کا نام دے دیا لیکن یہ خیال
ہے ضروری نہیں کہ درست بھی ہو۔

۵۔ اقتباس میں (ایم اور ایل) لکھا ہے۔ یہ دراصل ایم۔او۔ایل ہونا چاہیے۔ یہ ڈگری دو مشرقی زبانوں میں ایم۔اے کرنے کے بعد خود بہ خود حاصل ہو جاتی تھی۔

۶۔ پروفیسر عبدالعزیز جاوید، ''راہ آورد''، پیش گفتار، ص ۹ تا ۱۲

۷۔ محمد خالد خان بارکزئی، ''ابن امام شفتر (شخصیت اور فن)''، غیر مطبوعہ نیز راقمہ کا ابن الامام شفتر سے انٹرویو

۸۔ ابن الامام شفتر، ''خواب مت دیکھا کرو''، غیر مطبوعہ مجموعہ کلام، ص ۲۹

۹۔ پروفیسر عبدالعزیز جاوید، ''راہ آورد'' ص ۷۵

۱۰۔ الطاف حسین حالی، ''مقدمہ شعر و شاعری''، ص ۳۲ تا ۳۳، عبداللہ اکیڈمی، الکریم مارکیٹ اُردو

بازار، لاہور، اشاعت ۲۰۰۹ء

۱۱۔ پروفیسر عبدالعزیز جاوید، ''راہ آورد''، ص ۲۳۵

۱۲۔ ابن الامام شفتر، ''خواب مت دیکھا کرو''، غیر مطبوعہ مجموعۂ کلام، ص ۲۱/ مطبوعہ ''اُردو ڈائجسٹ''، مئی ۲۰۰۷ء، نوائے وقت، ۷۔۲۰۰۷۔۱۱۔۰۷

۱۳۔ ایضاً، ص ۴۲/ مطبوعہ ''الہام''، اکتوبر ۲۰۰۸ء

۱۴۔ پروفیسر عبدالعزیز جاوید، ''راہ آورد''، ص ۲۰۸

۱۵۔ ایضاً، ص ۲۵۴

۱۶۔ ایضاً، ص ۱۱۹

۱۷۔ محمد خالد خان اورکزئی، ''ابن الامام شفتر (شخصیت اور فن)''، غیر مطبوعہ

۱۸۔ پروفیسر عبدالعزیز جاوید، ''راہ آورد''، ص ۱۶ تا ۱۹